بسم اللہ الرحمن الرحیم

عبدالرشید عراقی سویدی حفظہ اللہ

عہد بنوامیہ کے علمی کارنامے

بنو امیہ کے دور کا آغاز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت سے ۴۱ھ میں ہوا اور اس کا اختتام مروان ثانی (م ۱۳۲ھ) پر ہوا، گویا بنو امیہ کا دور حکومت ۹۱ سال پر محیط ہے۔

اس دور میں اگرچہ بعض فتنہ پردازوں کے ہاتھوں بعض ناخوشگوار واقعات بھی دیکھنے کو ملتے ہیں، لیکن ساتھ ساتھ بیشمار اسلامی فتوحات اور ہر چار سو علم اسلام بلند نظر آتا ہے۔ جہاں بلند پایہ مجاہدین ہیں وہاں نیک سیرت انسانوں کی بھی کمی نہیں جن کے زہد و اتقاء، علم و فضل اور جلالت قدر کی تعریف سے قلم کی زبان خشک ہو جاتی ہے، آپ کو اس دور میں ایسے افراد بھی ملیں گے جنہوں نے اسلام کی سربلندی اور کتاب و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور اس کے ساتھ اسلام کی سربلندی کیلئے اپنی جان کے نذرانے پیش کیے ہیں۔

"جزاهم الله تعالىٰ عنّا و عن الاسلام خير الجزاء"

اموی دور میں علمی ترقی

اموی دور میں علوم اسلامیہ کی ترقی و ترویج کے لیے بہت کام ہوا۔ علمائے تابعین جنہوں نے اپنے علوم کو پھیلایا اسی عہد میں تھے اور ان کے حلقہ درس

مستقل طور پر قائم تھے۔

قراۃ

قرآن مجید کی قراۃ بھی ایک مسلم ہے۔ ہر زبان کی طرح قرآن مجید کے بعض الفاظ کا تلفظ مختلف طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ قراۃ کے واقف کار کو قراء کہا جاتا ہے۔ بنو امیہ کا دور قرائے نظام سے خالی نہیں۔ قرآن مجید کے مشہور قرائے سبعہ بنی امیہ کے دور میں تھے۔ جن کی قرات پر آج بھی ہماری قرأت قرآن کا مدار ہے۔ امام عبدالرحمان نافع بن ابو نعیم مدنی (م ۱۶۹ھ) میں قراۃ میں امام مالک (م ۱۷۹ھ) کے استاد تھے۔ ابو عمرو بن العلاء البصری (م ۱۵۳ھ) ابو عمران عبداللہ بن عامر دمشقی (م ۱۱۸ھ) ابو معبد بن عبداللہ کثیر المکی (م ۱۲۰ھ) ابوبکر عاصم بن ابی النجد الکوفی (م ۱۲۷ھ) ابو حمارہ حمزہ بن حبیب الزیات (م ۱۵۷ھ) ابوالحسن علی بن حمزہ الکسائی (م ۱۸۹ھ)

تفسیر

تفسیر قرآن کی ابتدا نزول قرآن کے ساتھ ہو گئی تھی۔ پھر اس میں برابر وسعت ہوتی گئی اور اموی دور میں اس کے بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوئے۔ جن کے ذریعہ بہت تفسیری ذخیرہ جمع ہو گیا۔ اس عہد کے تفسیر قرآن میں صحابہ کرام میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس (م ۶۸ء) کا اول نمبر ہے۔ جو تفسیر قرآن مجید میں سند تسلیم کئے جاتے تھے۔ ان کے بعد ان کے تلامذہ میں عکرمہ مولی

ابن عباس (م۱۰۷ھ) قتادہ بن دعامہ سدوسی (م۱۱۸ھ) مجاہدین جبیر (م۱۰۳ھ) حسن بصری (م۱۱۰ھ) اور سعید بن جبیر (م۹۴ھ) زیادہ نامور ہوئے۔ تفسیری روایات کا دارومدار زیادہ تر انہیں بزرگوں کی روایات پر ہے۔ دور بنو امیہ تفسیری روایات کا دور ہے۔ تفسیری تصانیف کا نہیں۔ یعنی قرآن مجید کی تفسیری روایات اور آیات قرآنی کی تشریح توضیح جو انہوں نے خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ سے سماعت کی تھیں۔ وہ ان حضرات نے من و عن دوسرے طالبان تفسیر و تحقیق تک پہنچا دیں۔ ان حضرات میں سے کسی نے تفسیر کے موضوع پر قلم نہیں اٹھایا (مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی (دسمبر ۱۹۷۴ء) نے فہرست ابن ندیم ص ۸۰ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مجاہد، حسن بصری، سعید بن جبیر، امام باقر اور حضرت علی کے ایک رفیق ابو حمزہ نے تفسیر لکھی تھیں لیکن آج یہ تفسیریں ناپید ہیں۔ تاریخ اسلام جلد دوم ص ۲۵۱، مطبوعہ اعظم گڑھ طبع دوم ۱۹۴۸ء)

حدیث

حدیث کی اشاعت و تدوین سب سے زیادہ بنو امیہ کے دور میں ہوئی۔ اور دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں حدیث کے درس قائم تھے۔ شائقین حدیث کی سماع کے لئے دور دراز کا سفر کرتے۔ اور ہر خرمن سے خوشہ چینی کرتے تھے۔ حدیث کا سب سے بڑا مرکز مدینہ طیبہ تھا۔ جہاں بڑے بڑے ارباب فضل و کمال موجود تھے۔ مدینہ طیبہ حضرت علیؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانے ساری دنیائے

اسلام کا مرکز تھا۔ بعد میں کوفہ اور پھر دمشق دارالخلافہ ہو جانے سے اس کی علمی حیثیت میں فرق نہیں آیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ء) فرماتے ہیں۔

باید دانست کہ مدینہ مشرفہ در زمان او بیشتر از زمان متاخر بلاشبہ مرجع فضلاء محط رجال علماء بودہ است

(مصفیٰ شرح موطا (مقدمہ) ج ۱ ص ۶ طبع دہلی ۱۲۴۶ء) جاننا چاہیئے کہ مدینہ شریف امام مالک کے زمانے میں اخیر دور سے پہلے بلاشبہ فضلاء کا مرجع اور اہل علم کی تھا۔

مدینہ منورہ کے علاوہ مکہ، کوفہ، بصرہ اور شام وہ مقامات تھے۔ جہاں سے علم نبوی کے چشمے ابل ابل کر سارے عالم اسلام میں رواں دواں ہو گئے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ (م ۷۲۸ء) فرماتے ہیں۔

فخص الامصارا الخمسة الحجازان والعراقان والشام التی خرج منها علوم النبوة من العلوم الایمانیته القرانیته والشریعه (منهاج السنه النبویه فی نقض قول الشیعه والقدریه ج ۴ ص ۱۴۲، طبع میریه مصر)

سو یہ پانچ شہر مکہ، مدینہ، کوفہ بصرہ اور شام وہ ہیں جہاں سے علوم نبوت، علوم ایمانی، علوم قرآنی اور علوم شریعت نکلے ہیں۔

مدینہ منورہ عہد صحابہ میں قرآن و سنن کے علم کا بہت بڑا مرکز تھا۔ اور تابعین میں فقہائے سبعہ جیسے حضرات اس وقت مدینہ منورہ میں موجود تھے۔ فقہائے سبعہ حسب ذیل ہیں۔

عبداللہ بن عتبہ بن مسعود (م ۹۸ھ) عروہ بن زبیر بن عوام (م ۹۴ھ) قاسم بن محمد بن ابی بکر (م ۱۰۸ھ) سعید ابن المسیب (م ۹۴ھ) ابوبکر بن عبدالرحمان بن الحارث بن ہشام (م ۹۴ھ) سلیمان بن یسار (م ۱۰۹ھ) خارجہ بن زید بن ثابت (م ۹۹ھ) (الجواہر المضیہ ج ۲ ص ۴۲۱، ۴۲۲)

یہ ساتوں فقہائے کرام وہ ہیں جو اپنے زمانے میں علم فقہ و حدیث کا مرجع ہے۔ امام عبداللہ بن مالک (م ۱۸۱ھ) کا بیان ہے کہ جب کوئی مسئلہ آتا تو یہ سب ایک ساتھ مل کر اس پر غور کرتے۔ اور جب تک وہ اس کے سامنے پیش ہو کر طے نہ ہو جاتا قاضی اس بابت کوئی فیصلہ صادر نہ کرتا تھا (فتح المغیث ص ۳۹۹ طبع یکفر)

حضرت عمر بن عبدالعزیز اور تدوین حدیث

اموی دور میں سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ) نے تدوین حدیث کی طرف توجہ کی۔ اس لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اس طرف خیال پیدا ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین روز بروز اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے اور ابھی صدی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ بزم عالم ان کے مبارک وجود سے تقریباً خالی ہو چکی تھی۔ دوسری طرف شیعہ، خوارج، اور قدریہ نئے نئے فرقے اسلام میں سر اٹھاتے جاتے تھے۔ جو اپنے اپنے عقائد و خیالات کی ترویج کے لئے پوری قوت سے کوشاں تھے۔ صحابہ کرام کی موجودگی میں اہل بدعت کا زور نہ چلتا تھا۔ جب کسی چیز میں اختلاف ہوتا تو لوگ ان کی طرف رجوع کرتے۔ اور فتنہ دب کر

رہجاتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) حضرت امام محمد بن اسمٰعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۵۶ھ) کی تاریخ الکبیر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جب حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا ۹۳ھ میں انتقال ہوا تو مورّق کہنے لگے کہ ذھب الیوم نصف العلم (آج نصف علم آٹھ گیا۔ جب ان سے دریافت کیا گیا یہ کیونکر؟ تو فرمانے لگے کہ

کان الرجل من اھل الاھواءاذا خالفنا الحدیث قلنا تعال الی من سمعہ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم (تہذیب التہذیب ترجمہ انس بن مالک)

جب اہل بدعت میں سے کوئی شخص حدیث کے بارے میں ہماری مخالفت کرتا تو ہم اس سے کہا کرتے تھے کہ آؤ ان کے پاس چلیں جنہوں نے خود اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز ۹۹ھ میں سریر آرائے خلافت ہوئے۔ تو آپ نے دیکھا کہ صحابہ کرام کے متبرک نفوس سے دنیا خالی ہو چکی ہے۔ اکابر تابعین میں کچھ تو صحابہ کرام کے ساتھ ہی چل بسے باقی جو ہیں ایک ایک کر کے سارے مقامات سے اٹھتے جا رہے ہیں اس لئے آپ کو اندیشہ ہوا کہ ان حفاظ اہل علم کے اٹھنے سے کہیں علوم شرعیہ نہ اٹھ جائیں۔ اور حدیث کی جو امانت ان کے سینوں میں محفوظ ہے وہ ان کے ساتھ ہی قبروں میں نہ چلی جائے۔ لہذا آپ نے تمام ممالک اسلامیہ کے گورنروں کے نام فرمان بھیجا کہ حدیث نبوی کو تلاش کر کے جمع کر لیا جائے چنانچہ حافظ ابو نعیم اصفہانی (م ۴۳۱ھ) تاریخ اصفہان میں لکھتے ہیں۔

كتب عمر بن عبدالعزيز الى الافاق انظروا حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاجمعوا (فتح الباری ج۱ ص۱۷۴)

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تمام آفاق میں لکھ بھیجا کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر کے جمع کرو۔

اسی سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ کے قاضی ابوبکر بن حزم خزرجی انصاری (م ۱۲۰ھ) کو لکھا۔

انظر ماكان من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاكتبه فانی خفت دروس العلم وذهاب العلماء ولاتقبل الا حديث النبی صلى الله عليه وسلم (الجامع الصحيح البخاری باب كيف يقبض العلم)

احادیث نبویہ کی تلاش کر کے ان لکھ لو، کیونکہ یہ علم کے مٹنے اور علماء کے فنا ہو جانے کا خدشہ معلوم ہوتا ہے۔ اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قبول کی جائے۔

اور یہ فرمان صرف مدینہ کے گورنر کے نام نہ تھا بلکہ تمام صوبوں کے گورنروں کے نام تھا۔ جیسا کہ ابو نعیم اصفہانی (م ۴۳۱ھ) نے تاریخ اصفہان میں اس کی تصریح کی ہے۔ حافظ ابن عبدالبر قرطبی (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں کہ سعید بن ابراہیم فرماتے ہیں۔

امرنا عمر ابن عبدالعزيز بجمع السنن فكتبناها دفترا دفترا فبعث الى كل ارض له عليها سلطان دفتراً (جامع بيان العلم و فضيله ص۳۸)

ہم کو عمر بن عبدالعزیز نے جمع حدیث کا حکم دیا۔ اور ہم نے دفتر کی دفتر حدیثیں

لکھیں۔ اور انہوں نے ایک ایک مجموعہ ہر جگہ جہاں ان کی حکومت تھی بھیجا۔

امام مالک (م ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے قاضی محمد بن حزم کو تاکیداً اس صراحت کے ساتھ لکھا تھا کہ عمرہ بنت عبدالرحمان (م ۹۸ھ) اور قاسم بن محمد بن ابی بکر (م ۱۰۶ھ) کے پاس جو سرمایہ علم ہے اس کو خاص طور پر نقل کر کے میرے پاس بھیج دیا جائے۔ (عمرہ اور قاسم کی روایات کے جمع کرنے کا خاص طور پر اس لئے حکم دیا۔ کہ یہ دونوں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا (م ۵۸ھ) کے خاص تلامذہ میں سے تھے قاسم حضرت عائشہ کے برادر زادہ تھے اور انہوں نے حضرت عائشہ کے آغوش میں تربیت پائی تھی۔ مدینہ طیبہ کے افضل ترین علماء میں سے تھے اور فقہائے سبعہ مدینہ کے ایک رکن تھے۔

حافظ ابن حبان (م ۳۵۴ھ) نے کتاب الثقات میں آپ کے بارے میں لکھا ہے۔

کان من سادات التابعین من افضل اھل زمانہ علماً و ادبا و[۲۱]
فقھاً

عمرہ بنت عبدالرحمان، قاضی ابو بکر بن حزم کی خالہ تھیں۔ یہ بہت بڑی عالمہ، فاضلہ اور فقیہہ تھیں۔ امام محمد بن مسلم اور ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) ان کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی ان کے علم و فضل اور تبحر علمی کے معترف تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔

مابقی احد اعلم بحدیث عائشہ من عمرہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا علم عمرۃ بنت عبدالرحمان سے بڑھ کر کوئی جاننے والا باقی نہیں رہا۔ ۱

علامہ ابن سعد (م ۲۳۰ھ) نے بھی ان کی تصریح کی ہے کہ حضرت عمر بن

عبدالعزیز نے قاضی ابوبکر بن حزم کو تاکید لکھا تھا کہ انہی عمرہ بنت عبدالرحمان کی روایت کردہ حدیث لکھ کر بھیجیں۔

کتب عمر بن عبدالعزیز الی ابن حزم ان یکتب لہ احادیث عمرۃ "طبقات ابن سعد")

امام محمد بن مسلم المعروف بہ ابن شہاب الزہری

ارباب سیر اور مورخین کی اکثریت نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ اموی دور میں سب سے پہلے جس نے تدوین حدیث کی طرف توجہ کی۔ وہ امام محمد بن مسلم شہاب الزہری (م ۱۱۴) تھے اور انہوں نے قاضی ابوبکر محمد بن حزم (م ۱۲۰ھ) سے پہلے حدیث کی تدوین کی۔ اور نہوں نے اپنی جمع کردہ کتابوں کی نقلیں حضرت عمر بن عبدالعزیز کو بھی بھیج دی تھیں اور جب قاضی ابوبکر محمد بن حزم نے اپنی کتابوں کی نقلیں مکمل کیں۔ اس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا اس لئے اولیت کا سہرا امام زہری کے سر ہے۔ حافظ ابن عبدالبر قرطبی (م ۴۶۳ھ) جامع بیان العلم و فضلہ میں امام مالک (م ۱۷۹ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

اول من دون العلم ابن شہاب (جامع بیان العلم وفضلہ ص ص ۳۹)

سب سے پہلے جس نے علم مدون کیا۔ وہ ابن شہاب زہری ہیں۔

امام زہری کے علاوہ جن آئمہ کرام نے تدوین حدیث میں علمی کارنامے سرانجام دیئے امام لکھوی (م ۱۱۸ھ) اور طام شعبی (م ۱۱۰ھ) بھی تھیں۔ علامہ

جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے اس کی تدوین کی ہے۔ (تدریب الراوی ص ۲۴) گرا اولیت امام زہری کو حاصل ہے۔ جیسا کہ امام مالک نے اس کی تصریح کی ہے۔

خطابت

عربوں میں خطابت کو باقاعدہ فن کی صورت حاصل تھی۔ اموی دور میں خطابت کا فن بھی اپنے عروج پر تھا۔ خطابت سے سیاسی معرکوں اور لڑائیوں میں کام لیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس دور میں متعدد نامور خطیب پیدا ہوئے۔ حجاج بن یوسف ثقفی (م ۹۵ھ) اور طارق بن زیاد اموی (م ۱۰۰ھ) فاتح اندلس اس دور کے بڑے ممتاز خطیب تھے حجاج بن یوسف (م ۹۵ھ) کا اولین خطبہ جو اس نے اپنی تقرری کے وقت دیا تھا۔ ادب عربی کا مشہور شاہکار ہے۔ صرف اشارہ کر دینا کافی ہوگا۔

اما واللہ انی لاحمل الشر بحملہ واخذہ بنعلہ واجزیہ بمثلہ و انی لاری الابصارا طامخة واعناقا متطا ولة و رؤساً قد اینحت و حان قطا فها و انی لانظر الی الدماء بین العمائم اللحی (البدایة و التهایة ج۹ ص۸، تاریخ طبری ج۷ ص۲۱۰)

میں دیکھتا ہوں۔ کہ نظریں اٹھی ہوئی ہیں گردنیں اونچی ہو رہی ہیں۔ سروں کی فصل پک چکی ہے۔ اور کٹائی کا وقت آگیا ہے۔ میری نظریں وہ دیکھ رہی ہیں جو پگڑیوں اور داڑھیوں کے درمیان بہہ رہا ہے۔

طارق بن زیاد اموی کی تقریر جو اس نے اندلس پر فوج کشی کے وقت کی۔ تاریخ اسلام میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور عربی ادب کا ایک

اچھوتا شاہکار ہے۔ طارق نے کہا۔

اما بعد! لوگو! میدان جنگ سے مفر کی اب کوئی صورت نہیں ہے۔ آگے دشمن ہے اور پیچھے دریا۔ خدا کی قسم صرف پامردی اور استقلال میں نجات ہے۔ یہی وہ فتح مند فوجیں ہیں جو مغلوب نہیں ہو سکتیں۔ اگر یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ تو تعداد کی قلت سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اور بزدلی، کاہلی، سستی، نامردی، اختلاف اور غرور کے ساتھ تعداد کی کثرت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

لوگو! میری تقلید کرو۔ اگر میں حملہ کروں، تو تم بھی حملہ آور ہو جاؤ۔ اور جب میں رک جاؤں تو تم بھی رک جاؤ۔ جنگ کے وقت مل کر ایک جسم بن جاؤ۔ میں اس سرکش (راڈرک) پر حملہ کر کے دست بدست مقابلہ کروں گا۔ اگر میں اس حملہ میں مارا جاؤں تو تم رنج و غم نہ کرنا اور میرے بعد آپس میں جھگڑ کر لڑنہ بیٹھنا۔ اس سے تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور تم دشمن کے مقابلہ میں پیٹھ پھیر دو گے۔ اور قتل و گرفتار ہو کر برباد ہو جاؤ گے۔ خبردار! ذلت پر راضی نہ ہونا۔ خدا نے جہاد و جفاکشی کے ذریعہ دنیا میں تمہارے لئے جو عزت و شرف اور راحت اور آخرت میں شہادت کا جو ثواب مقدر کیا ہے۔ اس کی طرف بڑھو، خدا کی پناہ اور حمایت کے باوجود اگر تم ذلت پر راضی ہو گئے تو بڑے گھاٹے میں رہو گے۔ دوسرے مسلمان الگ تم کو برے الفاظ سے یاد کریں گے۔ جیسے ہی میں حملہ کروں تم بھی حملہ آور ہو جاؤ۔ (الامامۃ والسیاستہ ج ۲ ص ۶۰)

فن انشاء کو بھی اموی دور میں بہت ترقی حاصل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اموی دور میں اسلامی ممالک کی سرحدیں دور دور تک پھیل گئیں۔ اور عمال حکومت کے ساتھ مراسلات جاری رکھنا نظام سلطنت کا ایک لازمی جزو بن گیا۔ پڑوسی ملکوں کے ساتھ مراسلات کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ اس لئے فن انشاء کو خوب ترقی ہوئی۔ اموی دور کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس دور میں عربی زبان کو مملکت کی سرکاری زبان قرار دیا گیا۔ اس لئے عربی کا سیکھنا غیر قوموں کے افراد کے لئے بھی ضروری ہو گیا۔ چنانچہ یہود و نصاریٰ اور فارسی زبان والوں نے عربی زبان کی تحصیل کی طرف توجہ دی۔

تاریخ و طبقات

اموی دور میں تاریخ و طبقات پر علمی سرمایہ زیادہ دستیاب نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ وہ داخلی انتشار تھا جو اموی دور میں ابتداء سے آخر تک جاری رہا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے اکابر صحابہ کرام اموی گورنر حجاج بن یوسف کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اور ۶۱ھ میں حضرت حسین بن علیؓ کربلا میں شہید کر دیئے گئے۔ اور حضرت حسین کی شہادت کے بعد ہر چند اموی حکمرانوں نے یہ کوشش کی کہ کسی طرح خانہ جنگی کا سلسلہ ختم ہو۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز جن کا دور حکومت ۹۹ھ تا ۱۰۱ھ (۱۸ ماہ) تک رہا۔ یہ دور بنو امیہ کی تاریخ کا سنہری دور ہے۔ مغازی و سیرت پر محمد بن اسحاق (م ۱۵۰ھ) کی کتاب لمغازی ہے۔ محمد بن اسحاق گو عہد عباسیہ میں فوت ہوئے۔ لیکن ان کی نشوونما دور

بنوامیہ میں ہوئی۔ امام ابو بکر خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں کہ

انہوں نے اس فن کو اتنی ترقی دی۔ کہ پھر اس پر کوئی اضافہ نہ کر سکا۔ انہوں نے سلاطین اور امراء کی توجہ لایعنی قصوں اور حکایتوں سے ہٹا کر تاریخ کی جانب پھیر دی۔ اگر اس فضیلت کے علاوہ ابن اسحاق کی اور کوئی فضیلت نہ ہوئی۔ کہ انہوں نے سلاطین کا مذاق بدل دیا۔ اور ان کی توجہ بے نتیجہ کتابوں سے ہٹا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی اور آپ کی سیرت اور آغاز عالم کی تاریخ کی جانب پھیر دی۔ تو تنہا یہی کارنامہ اور اولیت کا یہ فخر ان کی فضیلت کے لئے کافی تھا۔ ان کے بعد بہت سے لوگوں نے اس فن پر کتابیں لکھیں۔ لیکن کوئی ان کے درجہ کو نہ پہنچ سکا۔ (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۱۹)

علامہ محمد بن اسحاق نے تاریخ و سیرت و مغازی پر کتاب لکھی اس کا نام "کتاب السیرۃ و المبتدا و المغازی" ہے علامہ ابو محمد عبدالملک بن ہشام (م ۲۱۸ھ) سیرت ابن ہشام لکھی جو زیادہ تر ابن اسحاق کی روایات پر مشتمل ہے سیرت ابن ہشام چھپ چکی ہے۔ اسی دور کے ایک عالم یعمر بن راشد (م ۱۸۳ھ) نے کتاب المغازی لکھی (فہرست ابن ندیم ص ۱۳۲) وہب بن منبہ (م ۱۱۰ھ) نے جو مغازی اور سیرت کے ساتھ تاریخ عرب کے بھی عالم تھے سلاطین حمیر کے حالات میں ایک کتاب لکھی تھی۔ (شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۵۸)

اس تفصیل سے اموی دور کی علمی و تعلیمی حالت کا اجمالی اندازہ ہو گیا ہو گا اس دور کے قابل قدر خصوصیت یہ ہے کہ اس زمانہ میں تعلیم و علماء دونوں حکومت کے اثر سے آزاد تھے یہی وجہ ہے کہ بعض امویوں کے استبداد کے باوجود علمائے

حق کی حق پرستی اور حق گوئی کی یقیناً مثالیں ان کے زمانہ میں ملتی ہیں۔ اتنی بعد کے زمانہ میں نہیں ملتیں گو ہر زمانہ میں کم و بیش علمائے حق موجود تھے جن کی حق پرستی خلفاء و سلاطین کے مقابلہ میں قائم رہی لیکن بعد کے زمانہ میں جب علم خلفاء کی سرپرستی میں آگیا۔ تو ان کی تعداد کم ہو گئی چنانچہ عباسی عہد گو علمائے حق سے خالی نہ تھا۔ لیکن بہت سے علماء ان کے مصاحب اور ان کی چشم آبرو کے اشارے کے پابند تھے۔ اس کے برعکس اموی عہد میں اس کی مثال نہیں ملتی اور یہ نتیجہ تھا حکومت کی سرپرستی سے علم کی آزادی کا۔

مراجع و مصادر

۱۔ البدایہ والنہایۃ "حافظ ابو الفداء عماد الدین اسمعیل بن کثیر دمشقی (م ۷۷۴ھ)"
۲۔ الجامع الصحیح البخاری "امام ابو عبداللہ محمد بن اسمعیل البخاری (م ۲۵۶ھ)"
۳۔ الجواہر المضیئۃ "علامہ عبدالقادر بن احمد القرشی (م ۷۷۵ھ)"
۴۔ الامامۃ والسیاسۃ "ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبۃ دینوری (م ۲۷۶)"
۵۔ تاریخ بغداد "امام احمد بن علی خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ)"
۶۔ تاریخ الملوک والامم "امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری (م ۳۱۰ھ)"
۷۔ تاریخ اسلام "مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی (م ۱۹۷۴ء)"
۸۔ تدریب الراوی "علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)"
۹۔ تہذیب التہذیب "حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)"
۱۰۔ طبقات ابن سعد "ابو عبداللہ محمد بن سعد (م ۲۳۰ھ)"
۱۱۔ جامع بیان العلم و فضلہ "حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر قرطبی (م ۴۶۳ھ)"

باقی صفحہ ۴۴